ADVANCE SOCIAL SCIENCE ARCHIVE JOURNAL
Available Online: https://assajournal.com
Vol. 05 No. 01. Jan-March 2026.Page#.6733-6740
Print ISSN: 3006-2497 Online ISSN: 3006-2500
Platform & Workflow by: Open Journal Systems
https://doi.org/10.5281/zenodo.22236625

Romantic Tendencies in the Short Stories of Majnun Gorakhpuri

مجنوں گورکھپوری کے افسانوں میں رومانوی رجحانات

Nida Saeed*
PhD Scholar Department of Urdu, University of Southern Punjab, Multan
**Corresponding Author:* nidasaeed506@gmail.com
Prof. Dr. Imtiaz Hussain Baloch
Chairman, Department of Urdu, University of Southern Punjab, Multan
imtiazhussain@usp.edu.pk
Muhammad Irfan
PhD Scholar Department of Urdu, University of Southern Punjab, Multan
mi4757034@gmail.com

Abstract
Majnun Gorakhpuri is regarded as one of the important short story writers of Urdu literature whose fiction reflects a remarkable blend of romantic sensibility, aesthetic consciousness, psychological insight, and social realism. This research article presents an analytical study of romantic trends in the short stories of Majnun Gorakhpuri. The primary objective of the study is to examine the various manifestations of beauty, love, romance, imagination, emotional attachment, natural beauty, and inner psychological states in his short stories. The study reveals that romance in Majnun Gorakhpuri's fiction is not merely confined to stories of love and beauty or to an imaginary world; rather, it is deeply connected with the human psyche, psychological conflict, deprivation, failure, loneliness, and social realities. The study further demonstrates that Majnun Gorakhpuri's romantic sensibility underwent intellectual and thematic transformation over time. In short stories such as Saman Push, Sabz Pari, Tum Mere Ho, Khwab-o-Khayal, The Stranger, and Sarab, elements of love, beauty, imagination, and emotional intensity are accompanied by human sympathy, truthfulness, public service, and social consciousness. His fictional style is characterized by poetic delicacy, aesthetic refinement, simple and spontaneous dialogue, and the use of references and allusions from Urdu and Persian poetry, which further intensify the romantic atmosphere of his stories. Thus, Majnun Gorakhpuri's romanticism assumes a balanced, serious, and psychological form in which the emotional experiences of the individual and the realities of society are closely interconnected.

Keywords: *Majnun Gorakhpuri, Urdu Short Story, Romantic Trends, Romanticism, Love and Affection, Aesthetic Consciousness, Psychological Conflict, Imagination, Social Realism, Nature Depiction, Human Emotions, Poetic Delicacy.*

ادب کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مختلف ادوار میں متعدد ادبی تحریکیں اور رجحانات وجود میں آتے رہے ہیں۔ ہر تحریک اور ہر رجحان اپنے عہد کے مخصوص فکری، سماجی، تہذیبی اور نفسیاتی حالات کی ترجمانی کرتا ہے۔ اس اعتبار سے ادب کو انسانی ذہن اور معاشرتی زندگی سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ انسان کے خیالات، جذبات، احساسات، داخلی کیفیات اور معاشرتی تجربات کسی نہ کسی صورت میں ادبی تخلیق کا حصہ بنتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک عہد کے ادبی رجحانات دوسرے عہد سے مختلف دکھائی دیتے ہیں، کیونکہ ہر زمانہ اپنے مخصوص ذہنی اور سماجی تقاضوں کے ساتھ ادب پر اثرانداز ہوتا ہے۔ دنیا کے تمام ادیب، خواہ ان کا تعلق شاعری سے ہو یا نثر کی کسی صنف سے، اپنی تخلیقات میں ایک مخصوص طرزِ اظہار اختیار کرتے ہیں۔ یہی طرزِ اظہار ان کے درمیان امتیاز پیدا کرتا ہے اور اسے ہم اسلوب سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسلوب محض الفاظ کے انتخاب یا جملوں کی ساخت کا نام نہیں بلکہ یہ دراصل تخلیق کار کی شخصیت، فکر، احساس اور ذہنی رویے کی نمائندگی کرتا ہے۔ چنانچہ ہر ادیب کا اسلوب اس کے داخلی تجربات اور اس کے گرد و پیش کے حالات سے کسی نہ کسی سطح پر وابستہ ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے اسلوب کو انسانی ذہن کی ایک مؤثر ترجمانی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اگر ہم اپنے موضوع کے تناظر میں مجنوں گورکھپوری کی افسانہ نگاری میں رومانوی پہلوؤں کا جائزہ لیں تو ان کی متعدد تحریروں میں حسن، عشق، جذبۂ محبت اور تخیل کو نمایاں حیثیت حاصل دکھائی دیتی ہے۔ ان کے افسانوی ماحول میں رومانوی کیفیت، جذباتی وابستگی اور عشق کی داخلی کیفیات مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہوتی ہیں۔ بعض مقامات پر دیوانگی اور وارفتگی ایسی کیفیت اختیار کر لیتی ہے جس میں کردار ایک تصوراتی اور تخیلی دنیا میں سانس لیتے محسوس ہوتے ہیں۔ یوں ان کی افسانہ نگاری میں خارجی واقعات کے ساتھ ساتھ انسانی باطن اور جذباتی تجربات کو بھی اہم مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ دوسری جانب انسانی نفسیات پر معاشرہ شعوری اور غیر شعوری دونوں سطحوں پر اثرات مرتب کرتا ہے۔ فرد جس معاشرتی ماحول میں زندگی گزارتا ہے، اس کے خیالات، رویوں، جذبات اور طرزِ احساس پر اس ماحول کے اثرات کسی نہ کسی صورت میں ضرور مرتب ہوتے ہیں۔ اسی طرح بعض اوقات ادیب اپنے معاشرے کو متاثر کرتا ہے اور بعض اوقات معاشرہ غیر محسوس انداز میں ادیب کی فکر اور تخلیقی رویے کو تشکیل دیتا ہے۔ اس باہمی اثرپذیری کے نتیجے میں ادبی تخلیق میں فرد اور معاشرے دونوں کی جھلک نمایاں ہوتی ہے۔

الطاف حسین حالی نے بھی شعر کی افادیت پر گفتگو کرتے ہوئے ادب اور انسانی زندگی کے باہمی تعلق کو نمایاں کیا ہے۔ ان کے نزدیک شاعری محض لفظی آرائش یا تفریح کا ذریعہ نہیں بلکہ انسانی ذہن، احساس اور معاشرتی زندگی سے گہرا تعلق رکھنے والی تخلیقی سرگرمی ہے۔ حالی نے شعر و ادب کی اخلاقی، اصلاحی اور سماجی افادیت پر زور دیا اور شاعری کو اپنے عہد کے ذہنی و معاشرتی تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی۔ درحقیقت ادب اور معاشرے کا تعلق یک طرفہ نہیں بلکہ دو طرفہ ہے۔ کبھی ادیب اپنے افکار و خیالات کے ذریعے معاشرے کے رویوں کو متاثر کرتا ہے اور کبھی معاشرتی حالات ادیب کے تخلیقی شعور اور طرزِ اظہار کو متاثر کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کسی بھی ادیب کی تخلیقات کا مطالعہ کرتے وقت اس کے عہد کے سماجی، سیاسی، تہذیبی اور نفسیاتی پس منظر کو نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔ ادب اپنے عہد کے اجتماعی ذہن کی کسی نہ کسی سطح پر عکاسی ضرور کرتا ہے۔ اگر افسانے کے ساتھ ساتھ ناول، مضمون، کالم، ڈراما اور دیگر اصنافِ ادب کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ جیسے جیسے انسانی معاشرہ، فکری شعور اور تہذیبی حالات تبدیل ہوتے گئے، ویسے ویسے ادب کے موضوعات، اسالیب اور فنی پیمانے بھی تبدیل ہوتے رہے۔ امن، خوش حالی اور استحکام کے ادوار میں ادب کا مزاج نسبتاً مختلف صورت اختیار کرتا ہے، جب کہ جنگ، سیاسی انتشار، سماجی بے چینی اور معاشرتی بحران کے زمانے میں ادیب کی تخلیقی فکر بھی ان حالات سے متاثر ہوتی ہے۔ اس طرح ادیب کی نفسیاتی اور فکری کیفیت، اس کا معاشرتی ماحول اور اس کے عہد کے بدلتے ہوئے تقاضے مل کر ادبی تخلیق کی صورت گری کرتے ہیں۔ لہٰذا ادب کی تاریخ دراصل انسانی ذہن، معاشرتی زندگی اور تخلیقی شعور کے مسلسل ارتقا کی تاریخ بھی ہے۔ ادبی تحریکوں اور رجحانات کی تبدیلی، اصناف کے فنی پیمانوں میں آنے والی تبدیلی اور اسلوب کے مختلف مظاہر اسی ارتقائی عمل کے مختلف مراحل کی نشان دہی کرتے ہیں۔ یہی تناظر مجنوں گورکھپوری کی افسانہ نگاری کے رومانوی پہلوؤں کو سمجھنے کے لیے بھی بنیادی اہمیت رکھتا ہے، کیونکہ ان کے ہاں حسن، عشق، تخیل اور انسانی جذبات محض انفرادی واردات نہیں بلکہ ایک مخصوص ذہنی، نفسیاتی اور معاشرتی فضا سے مربوط دکھائی دیتے ہیں۔

اگر ہم رومان کی تاریخ، خصوصاً اردو افسانے میں رومان کے ورود کی وجوہات کا سراغ لگانے کی کوشش کریں تو قبل از رومان ادب کا مختصر جائزہ لینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس جائزے کے ذریعے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ادبی ارتقا کا دھارا انسانی نفسیات کی "ناؤ" کو رومان کی سمت کیوں لے جاتا ہے۔ کسی بھی ادبی تحریک یا رجحان کا ظہور محض ادبی عوامل کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ اس کے پس پشت عہد کے سیاسی، معاشی، معاشرتی اور نفسیاتی حالات بھی کارفرما ہوتے ہیں۔ برصغیر کی تاریخ میں 1857ء کی جنگِ آزادی کی ناکامی ایک ایسے بڑے سیاسی اور معاشرتی بحران کا نقطۂ آغاز ثابت ہوئی جس کے اثرات ہندوستانی معاشرے، بالخصوص مسلمانوں پر نہایت گہرے مرتب ہوئے۔ جنگِ آزادی کے بعد برطانوی اقتدار نے ہندوستان میں اپنی گرفت مضبوط

کرنے کے ساتھ ایسی پالیسیاں اختیار کیں جن کے نتیجے میں مسلمانوں کو سیاسی، معاشی، سماجی اور تعلیمی سطح پر شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ جنگِ آزادی کے بعد ہونے والی وسیع پیمانے کی قتل و غارت اور انتقامی کارروائیوں نے اجتماعی زندگی میں خوف، مایوسی، بے یقینی اور احساسِ محرومی کو جنم دیا۔ یوں ایک ایسا معاشرتی ماحول تشکیل پایا جس میں فرد اور اجتماع دونوں شدید ذہنی دباؤ کا شکار تھے۔ ان حالات میں سرسید احمد خان نے مسلمانوں کی اصلاح اور ان میں سیاسی و سماجی شعور پیدا کرنے کے لیے عملی جدوجہد کا آغاز کیا۔ 1859ء میں ان کی معروف تصنیف ''اسبابِ بغاوتِ ہند'' اسی اصلاحی اور فکری کاوش کا اہم مظہر تھی۔ سرسید کا بنیادی مقصد مسلمانوں کو بدلتے ہوئے حالات کا ادراک کرانا، ان میں علمی شعور پیدا کرنا اور انہیں جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا تھا۔ چنانچہ اس دور کے ادب میں اصلاح، حقیقت نگاری، مقصدیت اور عقلی شعور کو نمایاں اہمیت حاصل ہوئی۔

سرسید کی تحریک نے اردو نثر کو ایک نئی فکری سمت عطا کی۔ داستانوی اور شعری اسلوب کے مقابلے میں ایک ایسا نثری اسلوب سامنے آیا جس میں استدلال، سنجیدگی، مقصدیت اور حقیقت پسندی کو بنیادی حیثیت حاصل تھی۔ یہ اسلوب اپنے عہد کی ضرورتوں کا ترجمان تھا اور اس نے ایک سوئی ہوئی قوم میں بیداری کا احساس پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ تاہم مسلسل مقصدیت، عقلیت، اصلاح پسندی اور حقیقت نگاری پر مبنی اس فضا نے ادبی سطح پر ایک خاص قسم کی سنجیدگی اور ذہنی دباؤ بھی پیدا کیا۔ قاری اور ادیب کی نفسیات فطری طور پر ایسی فضا کی متقاضی ہونے لگیں جس میں زندگی کے جمالیاتی اور جذباتی پہلوؤں کو بھی اظہار کا موقع مل سکے۔ یہی وہ مرحلہ تھا جہاں اردو ادب میں رومانوی رجحان کے لیے زمین ہموار ہوئی۔ حقیقت پسندی اور مقصدیت کے بعد ادب نے انسانی جذبات، حسن، محبت، تخیل، فطرت، داخلیت اور احساس کی دنیا کی طرف توجہ مبذول کی۔ رومان دراصل اس اجتماعی نفسیاتی ضرورت کا ادبی اظہار بھی تھا جس میں انسان اپنے گرد و پیش کی تلخیوں، محرومیوں اور ذہنی اضطراب سے عارضی طور پر نجات حاصل کر کے حسن، محبت اور تخیل کی ایک نسبتاً پُرسکون دنیا میں پناہ تلاش کرتا ہے۔ رومانوی فضا کے فروغ کے نتیجے میں برصغیر کے ادبی منظرنامے میں محبت، حسن، جذبات کی شدت، احساس کی لطافت اور تخیل کی رنگینی کو نئی اہمیت حاصل ہوئی۔ ادب میں انسانی باطن اور فرد کی داخلی کیفیات کی ترجمانی کا رجحان مضبوط ہوا اور ادیب نے محض خارجی حقائق کی عکاسی کے بجائے انسان کے جذباتی اور نفسیاتی تجربات کو بھی اپنی تخلیقی توجہ کا مرکز بنایا۔ اس طرح ادب کی فضا میں ایک ایسی تبدیلی رونما ہوئی جس نے افسانے سمیت مختلف اصناف کو متاثر کیا۔ یہاں یہ نکتہ خاص طور پر قابلِ توجہ ہے کہ کسی بھی ادبی تحریک کا ظہور محض کسی ایک ادیب کے شعوری فیصلے یا کسی ایک ادبی اصول کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ اس کے پس پشت عہد کے اجتماعی تجربات، معاشرتی تغیرات اور انسانی نفسیات باہم مربوط ہوتے ہیں۔ چنانچہ رومانوی رجحان کو بھی محض محبت اور حسن کی طرف ادیب کے میلان کے طور پر دیکھنا کافی نہیں بلکہ اسے اس عہد کی اجتماعی نفسیات کے تناظر میں سمجھنا چاہیے۔ سیاسی شکست، معاشی زوال، معاشرتی بے یقینی اور ذہنی اضطراب کے نتیجے میں پیدا ہونے والی نفسیاتی کیفیت نے ادب کو ایک ایسی جمالیاتی دنیا کی طرف متوجہ کیا جہاں فرد اپنے داخلی سکون، جذباتی آسودگی اور تخیلی آزادی کی تلاش کر سکے۔

اردو افسانے کے لیے یہ امر خوش آئند تھا کہ اس کے ابتدائی دور ہی میں اسے دو ایسے باصلاحیت فنکار میسر آ گئے جنھوں نے اس صنف کو مختلف فکری اور فنی جہتوں سے مالامال کیا۔ پریم چند نے حقیقت نگاری کے رجحان کو اختیار کرتے ہوئے افسانے میں زندگی کے حقیقی مسائل اور معاشرتی حقائق کی مؤثر عکاسی کی، جب کہ سجاد حیدر یلدرم نے تخیل، جذبات اور رومانوی طرزِ احساس کو اپنی افسانہ نگاری کا بنیادی حوالہ بنایا۔ احتشام حسین کے نقطۂ نظر سے بھی یہ امر نمایاں ہوتا ہے کہ پریم چند اور سجاد حیدر یلدرم دونوں کو اردو افسانے کی تاریخ میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ اگرچہ دونوں کے فکری اور فنی زاویے ایک دوسرے سے مختلف تھے، تاہم دونوں اپنے اپنے انداز میں ہندوستان کے معاشرتی اور معاشی مسائل کو تخلیقی سطح پر پیش کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک طرف رومانیت تھی اور دوسری جانب حقیقت پسندی، لیکن ان دونوں رجحانات نے اردو افسانے میں زندگی کی ہمہ گیر تصویر پیش کرنے میں ایک دوسرے کی تکمیل کی۔ یہ صورتِ حال صرف شاعری تک محدود نہیں رہی بلکہ نثر کی مختلف اصناف بھی اس سے متاثر ہوئیں۔ بیسویں صدی کا آغاز ہندوستان میں سیاسی بیداری، سماجی تبدیلیوں، مختلف تحریکوں اور مغربی افکار و نظریات کے اثرات کے ساتھ ہوا۔ اسی بدلتے ہوئے ماحول میں اردو افسانہ بھی اپنی ابتدائی صورت میں سامنے آیا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں افسانہ نگاری کے لیے ایک ایسی فضا تشکیل پا چکی تھی جس میں انسانی زندگی کے خواب اور ان کی تعبیر، فرسودہ معاشرتی نظام، بدلتے ہوئے سماجی رویے اور فرد کی انفرادی و اجتماعی زندگی پر معاشرے کی طاقت ور گرفت جیسے مسائل نمایاں تھے۔ چنانچہ اردو افسانے کی ابتدائی تشکیل بھی انہی بدلتے ہوئے رجحانات اور سماجی حالات کے زیرِ اثر ہوئی۔

سجاد حیدر یلدرم اور پریم چند اسی عہد کی نمائندگی کرنے والے اہم افسانہ نگار ہیں۔ دونوں نے اپنے تخلیقی سفر کا آغاز رومانوی رجحانات سے کیا، تاہم وقت کے ساتھ ان کی فنی ترجیحات اور فکری سمتوں میں نمایاں فرق پیدا ہوا۔ یلدرم نے رومانوی فضا، تخیل اور جذباتی کیفیات کو اپنی افسانہ نگاری کا اہم وسیلہ بنایا، جب کہ پریم چند نے رفتہ رفتہ اپنے افسانوں کو معاشرتی حقیقتوں اور انسانی مسائل سے زیادہ قریب کر لیا۔ یوں دونوں کی تخلیقی شخصیتیں ایک ہی ادبی ماحول سے ابھرنے کے باوجود مختلف سمتوں میں آگے بڑھیں۔ یلدرم اور نیاز کے بعد اردو افسانے کو مجنوں

گورکھپوری کی صورت میں ایک ایسا افسانہ نگار بھی ملا جس کے ہاں رومانوی احساس، مغربی افسانے کے اثرات، نفسیاتی شعور اور جمالیاتی حس کا حسین امتزاج دکھائی دیتا ہے۔ مجنوں گورکھپوری مغربی ادب، بالخصوص مغربی افسانے سے گہری واقفیت رکھتے تھے، جس کے باعث ان کی فکری اور فنی تشکیل پر مغربی افسانے کے مزاج کے اثرات نمایاں ہیں۔ ان کا اسلوب لطافتِ بیان، نفسیاتی بصیرت، جذباتی کیفیت اور جمالیاتی احساس کے باہمی امتزاج سے تشکیل پاتا ہے۔ مجنوں گورکھپوری کی افسانہ نگاری میں رومان محض تخیل کی ایک دل فریب دنیا نہیں بلکہ انسانی باطن اور جذباتی تجربے سے جڑا ہوا نظر آتا ہے۔ ان کے ہاں رومانوی کیفیت کے ساتھ ساتھ زندگی کے معاشرتی حقائق کی جھلکیاں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ یہی امتزاج ان کے افسانوں کو محض رومانوی داستان بننے سے محفوظ رکھتا ہے اور ان میں انسانی نفسیات، جمالیاتی احساس اور معاشرتی شعور کو ایک دوسرے کے قریب لے آتا ہے۔ اس طرح مجنوں گورکھپوری اردو افسانے میں اس مرحلے کی نمائندگی کرتے ہیں جہاں رومان اور حقیقت ایک دوسرے سے متصادم ہونے کے بجائے باہم مل کر انسانی زندگی کی زیادہ جامع تصویر پیش کرتے ہیں۔ اس کے متعلق وہ "سمن پوش" میں خود بھی کہتے ہیں:

"میرے افسانے ایک خاص دور اور ایک خاص میلان کی نمائندگی کرتے ہیں جس سے دنیا آگے بڑھ گئی ہے۔"(۱)

اگر مجنوں گورکھپوری کی افسانہ نگاری کا جائزہ لیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ وہ اپنے کرداروں کی تشکیل میں فکر اور رومان کو باہم مربوط کرتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں ایک طرف فکری گہرائی اور منطقی شعور موجود ہے تو دوسری جانب رومانوی احساسات بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔ تاہم ان کے افسانوی مزاج میں یکسانیت نہیں بلکہ مختلف مراحل پر رجحان کی تبدیلی دکھائی دیتی ہے۔ بعض افسانوں میں رومانوی عنصر زیادہ غالب ہے، جب کہ بعض مقامات پر حقیقت اور منطق کا پہلو نمایاں ہو جاتا ہے۔ "شہاب کی سرگزشت" اور "ایک شاعر کا انجام" جیسے افسانوں میں اس رجحانی تنوع کی مثالیں ملتی ہیں۔ مجنوں گورکھپوری کے افسانوں میں ماورائی حسن، عشق اور تخیل کے حسین پیکر بھی جلوہ گر ہوتے ہیں۔ وہ تخیل کو محض خیالی دنیا کی تشکیل کے لیے استعمال نہیں کرتے بلکہ اسے انسانی جذبات اور فکری رویوں سے مربوط کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانوں میں رومان اور منطق مختلف صورتوں اور زاویوں کے ساتھ سامنے آتے ہیں۔ ان کی تخلیقی دنیا میں کہیں خواب ناک اور تخیلی فضا پیدا ہوتی ہے اور کہیں یہی فضا حقیقت کے شعور سے ہم آہنگ ہو جاتی ہے۔ ان کے افسانوں میں ماورائیت کا عنصر بھی زیادہ دیر تک برقرار نہیں رہتا۔ "سمن پوش" اور "سبز پری" جیسے افسانوں میں ماورائی عناصر کی جھلک نمایاں ہے، تاہم یہ کیفیت مستقل نہیں رہتی بلکہ کہانی آگے بڑھنے کے ساتھ اس میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔ اس کے باوجود مجنوں گورکھپوری کو رومانوی افسانہ نگار قرار دینے کی بنیادی وجہ ان کے افسانوں میں موجود وہ غالب رجحان ہے جو ان کی نفسیاتی ساخت کے جمالیاتی پہلو سے وابستہ ہے۔ ان کی تخلیقی شخصیت میں حسن، عشق، محبت، جمال، احساس، لطافت اور جذباتی نزاکت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ یہ تمام عناصر رومانوی شعور کے بنیادی اجزا شمار ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کے افسانوں میں رومان کبھی واضح صورت میں، کبھی علامتی انداز میں اور کبھی نفسیاتی کیفیت کے طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ یہی مستقل جمالیاتی اور جذباتی میلان مجنوں گورکھپوری کو اردو کے اہم رومانوی افسانہ نگاروں میں شامل کرنے کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔

مجنوں گورکھپوری بنیادی طور پر رومانی مزاج کے ادیب تھے اور یہی مزاج ان کی افسانہ نگاری میں بھی پوری طرح منعکس ہوتا ہے۔ ان کے افسانوی مجموعے "سمن پوش" کے متعدد افسانوں میں رومانوی فضا، جمالیاتی احساس اور محبت کے جذبات نمایاں طور پر محسوس کیے جاسکتے ہیں۔ وہ حسن دوست اور جمال پرست فنکار تھے؛ اس لیے ان کے افسانوں میں رومان کی جو مختلف جھلکیاں سامنے آتی ہیں، وہ دراصل ان کی داخلی شخصیت، جمالیاتی شعور اور مخصوص رومانوی مزاج کی ترجمانی کرتی ہیں۔ ان کے ہاں رومان محض موضوع نہیں بلکہ ایک ایسا فکری و جذباتی رویہ ہے جو کرداروں، واقعات اور اسلوبِ بیان پر بھی اثرانداز ہوتا ہے۔ ایک جگہ وہ اپنے افسانے "تم میرے ہو" میں لکھتے ہیں:

"یہ سب مجھے معلوم تھا اور اسی وجہ سے میں نے اب تک تم سے اپنی محبت کا اظہار نہیں کیا کہ ممکن ہے تمہاری زندگی بے کیف ہو جائے۔ مگر تم میری فکر نہ کرو، میں اپنی دوزخ کو جنت بنانا جان گیا ہوں۔ میں اس راز سے واقف ہو گیا ہوں کہ محبت کے کانٹے بھی پھول ہوا کرتے ہیں، تم سے محبت کر کے نہ جانے میں نے کیا کیا سیکھا ہے۔ سائرہ میں بہک رہا تھا تم نے مجھے سیدھے راستے پر لگا دیا۔ جب میں سوچتا ہوں کہ سائرہ ایسی ہستی کو میں چاہتا ہوں تو میں اپنی قسمت پر گھمنڈ کرنے لگتا ہوں۔"(۲)

اگر مجنوں گورکھپوری کے مزید افسانوں کا مطالعہ کیا جائے تو ان کی تخلیقات میں رومان کے متعدد اور دل کش پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔ کہیں محبت کے جذبات اپنی پوری شدت کے ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں، کہیں تخیل کی دل آویزی قاری کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے اور کہیں عشق کی بے قراری اور جذباتی تڑپ محسوس ہوتی ہے۔ اگرچہ ان افسانوں کا بنیادی ماحول بظاہر ایک جیسا

دکھائی دیتا ہے، لیکن مجنوں اس ماحول کو مختلف اسلوبی اور جذباتی رنگوں میں پیش کرتے ہیں۔ وہ محبت اور عشق کی مختلف داستانوں کو اس انداز سے بیان کرتے ہیں کہ قاری نہ صرف ان سے متاثر ہوتا ہے بلکہ رفتہ رفتہ خود کو رومان کی ایک دل فریب اور مسحور کن دنیا میں محسوس کرنے لگتا ہے۔ ان کے افسانوں کی ایک نمایاں خصوصیت ان میں موجود جذباتی اور حسی کیفیت کی خوب صورتی ہے۔ محبت کے لطیف جذبات اور احساسات قاری کے شعور کو متاثر کرکے اس کی حساسیت میں اضافہ کرتے ہیں۔ یوں قاری کو انسانی جذبات اور تعلقات کو ایک نئے زاویۂ نظر سے دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ یہی کیفیت اسے افسانے کی تخیلی اور جذباتی دنیا میں اس قدر محو کر دیتی ہے کہ وہ کچھ دیر کے لیے اپنے گرد و پیش کی حقیقتوں سے بے نیاز ہو کر افسانے کے ماحول کا حصہ بن جاتا ہے۔ ان کی افسانہ نگاری کا ایک اور اہم وصف یہ ہے کہ وہ ہر افسانے کے لیے ایک مخصوص ماحول اور فضا تشکیل دیتے ہیں۔ واقعات کو کسی خاص مقام، پس منظر اور جذباتی کیفیت کے ساتھ مربوط کرکے پیش کیا جاتا ہے۔ یہی فنی خصوصیت ان کی افسانہ نگاری کو امتیاز عطا کرتی ہے۔ ہر افسانے کی فضا، کرداروں کی داخلی کیفیت اور واقعات کی پیش کش ایک الگ رنگ پیدا کرتی ہے، جس کے نتیجے میں قاری کے اندر تجسس بھی برقرار رہتا ہے اور وہ کہانی کے انجام تک پہنچنے کے لیے متجسس رہتا ہے۔

ان کے افسانوں میں محبت کرنے والے اور محبوب کے درمیان کشش کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے۔ کردار محبت کے جذبے سے اس طرح متاثر ہوتے ہیں کہ محبوب کی طرف ان کا میلان مسلسل بڑھتا چلا جاتا ہے۔ مجنوں اس داخلی کشش کو ایک ایسی جذباتی فضا میں پیش کرتے ہیں جہاں محبت محض ایک وقتی جذبہ نہیں رہتی بلکہ کردار کے دل و روح پر گہرا اثر مرتب کرتی ہے۔ اس طرح عشق ایک ایسی داخلی قوت بن جاتا ہے جو کردار کو مسلسل اپنی گرفت میں رکھتی ہے۔ اگرچہ مجنوں کے افسانے بنیادی طور پر رومانوی فضا کے حامل ہیں، تاہم ان میں زندگی کے مختلف مسائل اور انسانی پیچیدگیوں کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔ بعض اوقات ایسے مسائل سامنے آتے ہیں جن کا کوئی فوری یا واضح حل دکھائی نہیں دیتا، لیکن کردار ان سے نبرد آزما ہونے اور اپنی زندگی کے لیے کسی مناسب سمت کی تلاش میں کوشاں رہتے ہیں۔ اس پہلو سے مجنوں کے افسانے محض محبت کی داستانیں نہیں رہتے بلکہ انسانی زندگی کی داخلی کشمکش اور مسائل کی عکاسی بھی کرتے ہیں۔ ان کی تخلیقی قوت کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ وہ افسانے کے ماحول کو اس طرح تشکیل دیتے ہیں کہ قاری ایک مخصوص جذباتی کیفیت میں داخل ہو جاتا ہے۔ محبت، احساس، تخیل اور جمالیاتی شعور کے امتزاج سے وہ ایسی فضا پیدا کرتے ہیں جو قاری کے جذبات کو متحرک کرتی ہے۔ یوں ان کے افسانوں میں محبت محض ایک موضوع نہیں رہتی بلکہ ایک ایسی تخلیقی قوت بن جاتی ہے جو تاریک اور الجھی ہوئی زندگی میں امید، احساس اور جمال کی ایک نئی روشنی پیدا کرتی ہے۔ یہی خصوصیت مجنوں گورکھپوری کے رومانوی افسانوں کو ایک منفرد اور دل کش شناخت عطا کرتی ہے۔ ان کے ایک افسانے "تم میرے ہو" سے ایک اقتباس ملاحظہ کریں:

> "سائرہ اس سے زیادہ نہ کہہ سکی، اُس کی زبان رک گئی اور بے اختیار رونے لگی۔ یہی ایک موقع میری زندگی میں ایسا ہوا جبکہ میں نے سائرہ کو پیار کیا، اس وقت قیود کی پابندی کے کوئی معنی نہ تھے، میں نے اُس کو بیساختہ اپنی گود میں لے لیا۔ میری آغوش میں وہ اور بھی جی کھول کر روئی۔ خود میری آنکھیں بھیگ رہی تھیں مگر میں رو نہ سکا۔ جب سائرہ کا دل کچھ ہلکا ہوا تو اُس نے میرے چہرہ کی طرف دیکھ کر کہا" جمیل! میں کہہ نہیں سکتی کہ میں تم کو کتنا چاہتی ہوں۔ اِس عرصہ قلیل میں میرے دل پر محبت کا وہ نقش بیٹھا ہے جو مٹائے مٹ نہیں سکتا۔"(۳)

مجنوں گورکھپوری کی افسانہ نگاری میں محبت کو بنیادی اور مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ ان کے بیشتر افسانوں میں محبت ایک اہم محرک کے طور پر سامنے آتی ہے اور وہ اپنے کرداروں کے ذریعے ایسی دل آویز اور پُرکیف فضا تخلیق کرتے ہیں جس میں قاری مختلف سطحوں پر افسانے کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ کہیں وہ اسے فکری زاویے سے پرکھتا ہے، کہیں تخیل کے حوالے سے دیکھتا ہے اور کہیں رومانوی کیفیت کے اثرات کو محسوس کرتا ہے۔ اس طرح ان کے افسانوں میں محبت محض ایک موضوع نہیں رہتی بلکہ فکری اور جمالیاتی تجربے کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ ان کے افسانوں میں محبت کے کامیاب انجام کے مقابلے میں محبت کا رجحان اور اس کی جذباتی کیفیت زیادہ نمایاں دکھائی دیتی ہے۔ وہ مزاجاً محبت اور عشق کے قائل ہیں، لیکن ان کی توجہ عموماً کامیاب عشقیہ داستان کے بجائے محبت کے داخلی احساس، کشمکش، انتظار اور جذباتی تجربے پر مرکوز رہتی ہے۔ اسی لیے ان کے ہاں کامیاب محبت کے مناظر نسبتاً کم دکھائی دیتے ہیں، جب کہ محبت کے احساس اور اس سے پیدا ہونے والی کیفیات بار بار سامنے آتی ہیں۔ ان کے افسانوں میں رومانوی عنصر بھی اسی محبت کے جذبے سے تقویت حاصل کرتا ہے۔ رومان ان کی تخلیقی شخصیت کا ایک نمایاں پہلو ہے جو مختلف صورتوں میں ان کے افسانوں میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ کہیں یہ کرداروں کے باہمی تعلقات کے ذریعے ظاہر ہوتا ہے، کہیں جذباتی کیفیات کی صورت میں اور کہیں فطرت کے حسین مناظر اور جمالیاتی احساس کے وسیلے سے سامنے آتا ہے۔ یوں رومان ان کے افسانوی تجربے کا ایک مستقل اور مؤثر جزو بن جاتا ہے۔

ان کے ہاں عشق اور محبت کا اظہار بھی یک رنگ نہیں۔ کبھی عورت اور مرد کے باہمی تعلق اور محبت کو موضوع بنایا جاتا ہے اور کبھی فطرت، حسن اور قدرتی مظاہر کے ذریعے جمالیاتی احساس کی ترجمانی کی جاتی ہے۔ فطرت کے عناصر کو محض خارجی مناظر کے طور پر پیش کرنے کے بجائے وہ ان میں اپنے داخلی احساسات اور تخیل کی کیفیت بھی شامل کر دیتے ہیں۔ اس انداز سے ان کے افسانوں میں محبت کا تصور وسیع تر ہو جاتا ہے اور انسانی جذبات کے ساتھ ساتھ فطرت اور جمالیات بھی اس کا حصہ بن جاتے ہیں۔ چنانچہ مجنوں گورکھپوری کی افسانہ نگاری کا مطالعہ یہ واضح کرتا ہے کہ محبت، رومان اور جمالیاتی شعور ان کی تخلیقی فکر کے بنیادی عناصر ہیں۔ ان کے افسانوں میں محبت کا مقصد صرف ایک کامیاب عشقیہ انجام تک پہنچنا نہیں بلکہ انسانی باطن کی مختلف کیفیات، جذباتی کشمکش اور حسن کے احساس کو نمایاں کرنا ہے۔ یہی خصوصیت ان کے رومانوی افسانوں کو محض عشقیہ داستانوں سے بلند کر کے ایک فکری اور جمالیاتی تجربے میں تبدیل کر دیتی ہے۔ شاہین فردوس لکھتے ہیں کہ:

> "مجنوں اپنے افسانوں میں محبت کو جس نظریہ سے دیکھتے ہیں اس میں وصل کی کوئی اہمیت نہیں۔ ان کا خیال ہے کہ وصل اگر حاصل بھی ہو جائے تو محبت کے المیے کو کم نہیں کر سکتا۔ بلکہ کبھی کبھی اور زیادہ بدمزگی پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کے یہاں محبت کے المیے کو کم نہیں کر سکتا۔ بلکہ کبھی کبھی اور زیادہ بدمزگی پیدا ہو جاتی ہے۔ ان کے یہاں محبت کی تکمیل صرف موت سے ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کے زیادہ تر افسانوں کے کردار موت کو پہنچ جاتے ہیں۔"(۴)

اس امر میں کسی شک و شبہے کی گنجائش نہیں کہ مجنوں گورکھپوری کی افسانہ نگاری میں رومانیت ایک متوازن اور سنجیدہ صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ ان کے ہاں رومان محض جذباتی کیفیت یا حسن و عشق کی داستان تک محدود نہیں رہتا بلکہ انسانی زندگی کے داخلی کرب، محرومی، ناکامی اور آرزوؤں سے بھی گہرا تعلق پیدا کر لیتا ہے۔ ان کے افسانوی کردار ایک ایسی بے رنگ، بے کیف اور مفاد پرستانہ دنیا میں زندگی بسر کرتے ہیں جہاں ان کے خواب اور آرزوئیں حقیقت سے متصادم ہو جاتی ہیں۔ وہ بہتر زندگی کی امیدیں لیے خواب دیکھتے ہیں، لیکن ان خوابوں کی تعبیر اکثر دکھ، محرومی، تنہائی اور اذیت کی صورت میں سامنے آتی ہے۔ ان کرداروں کے اندر موجود حساسیت انہیں معمولی نوعیت کی زندگی قبول کرنے سے روکتی ہے، مگر مسلسل ناکامیوں اور نامرادیوں کے باعث یہی حساسیت رفتہ رفتہ ان کے لیے ذہنی اذیت کا سبب بن جاتی ہے۔ ان کے افسانوں کے کردار اکثر اپنی خواہشات اور نظریات کے ٹوٹنے سے اندر ہی اندر شکست کا شکار ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے عہد کی بے حسی اور مادی اقدار سے ہم آہنگ نہیں ہو پاتے اور یوں وقت کے ساتھ خود کو تنہائی اور محرومی کے حوالے کر دیتے ہیں۔ جب ان کے معصوم خواب حقیقت کی سختیوں سے ٹکراتے ہیں تو ان کے اندر ایک ایسی شکست خوردہ کیفیت پیدا ہوتی ہے جو انہیں درد، بے بسی اور احساسِ ناکامی سے وابستہ کر دیتی ہے۔ بیگانہ، ناصری، شمیم اور ثریا جیسے کردار اسی داخلی شکست اور جذباتی کرب کی مختلف صورتوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ دیگر رومانوی افسانہ نگاروں کی طرح مجنوں گورکھپوری کے کردار بھی زندگی کی تلخیوں کو محض خارجی مسئلے کے طور پر نہیں دیکھتے بلکہ انہیں اپنی ذات کے اندر محسوس کرتے ہیں۔ ان کے لیے زندگی کی محرومیاں ایک ایسے داخلی کرب میں تبدیل ہو جاتی ہیں جس سے فرار ممکن نہیں رہتا۔ محبت کی ناکامی، آرزوؤں کی پامالی اور خوابوں کی شکست ان کی شخصیت پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہے اور ان کی جذباتی دنیا کو مسلسل متاثر کرتی رہتی ہے۔

مجنوں کے افسانوں میں محبت ایک بلند، پاکیزہ اور تقریباً ماورائی جذبے کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن عملی زندگی میں اس کی تکمیل کے امکانات بہت محدود دکھائی دیتے ہیں۔ یہی تضاد ان کے افسانوی کرداروں کی نفسیاتی کشمکش کو جنم دیتا ہے۔ وہ محبت کو ایک اعلیٰ انسانی قدر کے طور پر محسوس کرتے ہیں، مگر معاشرتی اور مادی زندگی کے تقاضے اس جذبے کی تکمیل میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ چنانچہ ان کے افسانوں میں رومان اور حقیقت کے درمیان ایک مسلسل کشمکش پیدا ہوتی ہے، جو ان کے کرداروں کے کرب، شکست اور تنہائی کو گہرا کر دیتی ہے۔ یہی کیفیت مجنوں گورکھپوری کی رومانیت کو محض خوش کن تخیل کے بجائے ایک سنجیدہ، نفسیاتی اور انسانی تجربے میں تبدیل کر دیتی ہے۔ مجنوں گورکھپوری کے بقول:

> "سیاسی زندگی بھی بڑی محویت اور خود فراموشی کی زندگی ہوتی ہے۔ اپنے درد کو بھولنے کی بہترین صورت یہ ہے کہ سارے زمانہ کا درد دل میں لے کر بیٹھے رہو۔ آج اگر میں کانگریس کی شورش میں نہ منہمک ہو جاتا تو تم سے جدا ہو کر سانس لینا دشوار ہو جاتا۔"(۵)

مجنوں گورکھپوری کے افسانوں میں سیاست سے وابستگی زیادہ تر جذباتی نوعیت کی ہے۔ ان کے کردار سیاست کو قومی خدمت کے بجائے ایک پُر تشدد اور تباہ کن عمل کے طور پر دیکھتے ہیں۔ تاہم ان کے کرداروں کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ عام زندگی کے کرداروں کے بجائے خواب، تخیل اور جذبات کی دنیا میں رہتے ہیں۔ ان کی نگاہیں کسی پر اسرار حقیقت کی جستجو میں رہتی ہیں اور ان کی گفتگو بھی رومانوی احساسات سے لبریز ہوتی ہے۔ یوں ان کے کرداروں پر ایک مخصوص رومانوی فضا چھائی رہتی ہے، اگرچہ ان کے افسانوں میں زندگی کے تلخ حقائق کی بازگشت بھی

سنائی دیتی ہے۔"خواب وخیال" میں عشق ومحبت کو بنیادی موضوع بنایا گیا ہے۔ کہانی کا مرکزی کردار نسیم ہے، جس کی زندگی میں ریحانہ محبت اور امید کی روشنی بن کر داخل ہوتی ہے۔ نسیم اس سے محبت کرتا ہے، مگر ریحانہ کسی اور سے وابستہ ہو جاتی ہے، جس سے اس کی پہلی محبت ناکام ہو جاتی ہے۔ بعد ازاں نسیم کی ملاقات ثریا سے ہوتی ہے اور دونوں ایک دوسرے سے گہری محبت کرنے لگتے ہیں۔ ثریا نسیم کے جذباتی کرب کو سکون دیتی ہے اور محبت کو ایک پاکیزہ اور لطیف جذبے کے طور پر محسوس کرتی ہے۔ تاہم معاشرتی حالات اور مجبوریوں کے باعث نسیم کو دوسری جگہ شادی کرنا پڑتی ہے، جس سے دونوں کی محبت کا انجام بھی ناکامی کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ نسیم کسی حد تک زندگی میں آگے بڑھ جاتا ہے، مگر ثریا محبت کے غم میں اپنی زندگی تباہ کر لیتی ہے۔ اس طرح "خواب وخیال" میں محبت، ناکامی، محرومی اور مایوسی باہم مربوط نظر آتے ہیں۔ مجنوں نے اپنے کرداروں کے ذریعے یہ واضح کیا ہے کہ غیر ہمدرد اور مادی معاشرت میں خواب دیکھنے والے حساس انسان اکثر اپنی خواہشات کی تکمیل سے محروم رہ جاتے ہیں۔ یوں سماجی حالات بھی ان کے رومانوی کرداروں کی ناکامی اور داخلی افسردگی میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ وقار عظیم کے بقول:

> "خواب وخیال میں نسیم کی محبت کا جو انداز دکھایا گیا ہے اس میں اضطراب کو بہت زیادہ دخل ہے دونوں ایک دوسرے کو جان سے زیادہ چاہتے ہیں، خصوصاً ثریا کی محبت ایسے نقطہ پر پہنچ گئی ہے جس کا علاج سوائے وصل کے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن حالات کی صورت ایسی ہے کہ ثریا اور نسیم میں جدائی ہونی ناگزیر ہے چنانچہ یہی ہوتا ہے۔ ثریا زبان سے نہ کہے لیکن اس کے دل میں مختلف قسم کے جذبات کا ہیجان اور اضطراب ہے آخر میں وہ انتہائی کشمکش کے بعد جس نتیجہ پر پہنچتی ہے وہ اس کی جان لے کر رہتا ہے اور افسانہ حزن ویاس کا مرقع بن جاتا ہے۔"(۶)

مجنوں گورکھپوری ترقی پسند فکر کے حامل ادیب تھے، اس لیے ان کی رومانوی کہانیوں میں بھی ان کے ترقی پسند نظریات کسی نہ کسی صورت میں نمایاں ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان کے افسانوں میں محبت کو اہم موضوع بنایا گیا ہے، تاہم یہ محبت اکثر ناکامی اور محرومی پر منتج ہوتی ہے۔"دی سٹرینجر" میں بھی محبت کے ساتھ معاشرتی رویوں کی تلخی نمایاں ہوتی ہے۔ جب کرشن کماری اپنے کوڑھ کے مرض میں مبتلا ہونے کا انکشاف کرتی ہے تو محبت کے تمام دعوے بے معنی ہو جاتے ہیں۔ اس صورتِ حال کے ذریعے مجنوں نے معاشرے میں موجود نفرت اور تعصب کو اجاگر کیا ہے کہ کسی موذی مرض میں مبتلا شخص کے ساتھ سماجی رویہ کس طرح تبدیل ہو جاتا ہے۔ انھوں نے اس افسانے میں یہ دکھایا ہے کہ معاشرتی تعصبات محبت جیسے لطیف اور پاکیزہ جذبے کو بھی متاثر کرتے ہیں۔ مرض کو سماجی بدنامی سمجھنے کی ذہنیت انسانی ہمدردی اور محبت کے جذبات کو مجروح کرتی ہے۔ اس طرح افسانے میں رومان کے ساتھ معاشرتی حقیقت نگاری بھی نمایاں ہو جاتی ہے۔ ان کے افسانوی اسلوب کی ایک اہم خصوصیت مکالموں کی سادگی، برجستگی اور وضاحت ہے۔ اس کے ساتھ فارسی اور اردو شاعری کے اشعار اور شعری تلمیحات کا استعمال ان کی نثر میں جمالیاتی حسن پیدا کرتا ہے۔ ان کے کردار بھی عموماً جذباتی اور شعری ذوق رکھنے والے دکھائی دیتے ہیں، اس لیے ان کی گفتگو میں شعری رنگ نمایاں ہو جاتا ہے۔ یوں مکالمے کرداروں کی داخلی کیفیات، رومانوی مزاج اور جذباتی احساسات کو مؤثر انداز میں نمایاں کرنے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ اس کی بجائے شاعری جملوں کا حصہ بن گئی ہے:

> "خیر مجھے کوئی عذر نہیں لیکن واضح رہے کہ رات بھر سے زیادہ میں آپ کا مہمان نہیں رہوں گا۔ صبح کو میں آزاد ہو جاؤں اور جہاں چاہوں رہوں۔"(۷)

ان کے افسانے "سراب" کا موضوع عشق ومحبت ہے اور یہ افسانہ دوسرے دور کی تخلیق ہونے کے ساتھ نئے زاویے پیش کرتا ہے اپنی رائے پیش کرتے ہوئے مجنوں گورکھپوری لکھتے ہیں:-

> "میرے بدلتے ہوئے میلان اور دہرائے ہوئے خیالات کی باقاعدہ ابتدا 1932ء سے ہوئی اور ان کی پہلی جھلکیاں اس افسانہ میں ملتی ہیں جو اس زمانے میں "محبت کی فریب کاریاں" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اور اب "سراب" کے عنوان سے پیش کیا جا رہا ہے۔"(۸)

اس افسانے میں انسانیت کا تذکرہ، عوامی خدمت کا جذبہ، غریبوں کی فلاح وبہبود، یہ سب ایک نیا اضافہ ہے۔ یوسف انسانیت اور حق پرستی کا علمبردار ہے۔ ایک خط میں نسرین سے مخاطب ہے:-

"پہلے میری زندگی کا نصب العین تم کو اور صرف تم کو چاہنا تھا۔ اب ساری دنیا کو چاہتا ہوں۔ اب میری زندگی کا نصب العین یہ ہے کہ حق پرستی اخوت یا ایک لفظ میں انسانیت کا پیغام دوں۔ جہاں کہیں پیٹ کا دکھ پاؤں اس کو مٹا دوں چاہیے اس کے لئے خود مٹ جانا پڑے۔"(۹)

ان کے افسانوں میں شعری لطافت اور ادبی نزاکت کی خوشبو ابتدا سے انتہا تک محسوس ہوتی ہے۔ مجنوں گورکھپوری کے تقریباً تمام افسانوں میں یہ وصف نمایاں دکھائی دیتا ہے، تاہم بعض مقامات پر یہ خوبی اپنی بلند ترین سطح کو پہنچ جاتی ہے۔ ان کے ہاں حسن کی پُر مبالغہ پیش کش رومانوی فضا کو گہرا کرنے کے ساتھ ساتھ جمالیاتی احساس کو بھی نمایاں کرتی ہے۔

"صورت کو دیکھتے یا سیرت کو ہر طرح قدسیوں سے نزدیک تر نظر آتی ہے۔ ان کی آنکھوں میں ایک معصومیت اس کے ہونٹوں میں ایک مستانہ بھولا پن اور سر سے پاؤں تک اس کے سڈول نرم و گرم بدن میں ایک لاہوتی نزاکت ہے۔"(۱۰)

اس افسانے کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مصنف کے ذاتی مشاہدات اور تاثرات کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔ اسی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ افسانے میں حقیقت پسندی کا عنصر نمایاں ہے۔ تاہم مرکزی کردار کی فکری وسعت محدود دکھائی دیتی ہے، کیونکہ افسانہ نگار نے اس کے شعور اور شخصیت کو ایک مخصوص ذات کے دائرے تک محدود رکھا ہے۔ افسانے میں دیوانہ وار رومان اور ازدواجی زندگی کے تعلق کو الگ الگ خانوں میں تقسیم کرکے پیش کیا گیا ہے۔ اس کے باوجود مجموعی طور پر یہ افسانہ فنی اعتبار سے ایک مکمل اور مؤثر تخلیق کا درجہ رکھتا ہے۔

حوالہ جات:

1. مجنوں گورکھپوری، "سمن پوش اور دوسرے افسانے"، ایوان پریس گورکھپور، 1946ء، ص178
2. ایضاً،138
3. ایضاً،139
4. شاہین فردوس، "مجنوں گورکھپوری حیات اور خدمات"، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، 2001ء، ص108
5. مجنوں گورکھپوری، "خواب وخیال"، یونائیٹڈ انڈیا پریس، لکھنؤ، 1943ء، ص200
6. وقار عظیم، "فن افسانہ نگاری" ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، 2009ء، ص153
7. مجنوں گورکھپوری، "خواب وخیال"، یونائیٹڈ انڈیا پریس، لکھنؤ، 1943ء، ص109
8. مجنوں گورکھپوری، "سراب" ادارہ اشاعت اردو، حیدر آباد، 1945ء، ص14
9. ایضاً،44
10. ایضاً،78